OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
mei.aiou.edu.pk
iri.aiou.edu.pk

بین المذاہب ہم آہنگی، باہمی رواداری اور مکالمے کی عصری ضرورت واہمیت

(The Importance of Interfaith Harmony, Lenience and Dialogue in the Present Era in the Light of *Seerah*)

*ڈاکٹر نعیم انور الازہری
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی لاہور
**ڈاکٹر احمد رضا
اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج کھڑک راولا کوٹ

ABSTRACT

A deep analysis of the teachings of all religions as a whole reveal that they are based on love to human beings. It is so, because the propagation of religious thought cannot be carried out unless man is loved. Love to humanity is the essence of all religions. The whole mankind shares genetic unity being the sons or daughters of Adam and Eve (peace be upon them). They resemble one another in form have a sense of their rights and like to live in a society. Difference of opinion is natural to them but a sound solution of their disputes is in mutual harmony and dialogue. This has been the way of Allah Almighty and His Prophets. Man's viceregency on Earth is the outcome of a dialogue. The remedy of all contemporary issues among individuals and nations surely lies in interfaith harmony through dialogue conducted and propagated at greater levels. This article aims to discuss the importance of interfaith harmony, lenience and dialogue in the present era in the light of holy Quran and Seerah of the holy Prophet (peace be upon him).

Kew words: Interfaith harmony, humanity, lenience, dialogue.

موضوع کا تعارف

انسان کا انسان سے تعلق باہمی محبت و مودّت اور صبر و برداشت کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔ جس قدر باہمی الفت وچاہت کے جذبات اور تعلقات استوار ہوتے چلے جاتے ہیں، انسانوں میں باہمی میل جول بڑھتا رہتا ہے، معاشرتی رشتے اور سماجی ناطے مضبوط ہوتے جاتے ہیں۔ اگر ان تعلقات کو زمانے کی گرم ہوا لگے، انسانی طبیعتوں کی حدت نقصان پہنچائے، انسان کی محبت پر اس کی نفرت غالب آجائے، انسان کی پسندیدگی ناپسندیدگی میں بدل جائے اور چاہت عدمِ چاہت کا شکار بھی ہو جائے لیکن صبر و برداشت کی قوت انسان پر غلبہ پا جائے تو انسانی تعلقات ٹوٹتے ہوئے بھی قائم رہ سکتے ہیں۔ صبر و برداشت کی وجہ سے انسان کا انسان سے تعلق عداوت میں نہیں بدلتا اور قبولیت کی کوئی نہ کوئی صورت باقی رہتی ہے۔ موجودہ زمانہ میں بدامنی اور عدم برداشت عروج پر ہے۔ چنانچہ اس عہد میں بین المذاہب ہم آہنگی، رواداری اور مکالمے کی عصری ضرورت، اہمیت اور افادیت کو واضح کرنا ضروری ہے۔ زیر نظر مقالہ میں اسی چیز کو قرآن مجید اور سیرت طیبہ کی روشنی میں اجاگر کیا گیا ہے۔

نسلِ انسانی کاآغاز وارتقاء

اللہ ربّ العزت نے زمین وآسمان کو پیدا کیا ہے اور اس کائنات میں انسان کو اشرف المخلوق بنایا ہے۔ اپنی ساری مخلوقات میں فضیلت کا تاج اس کے سر پر سجایا ہے۔ اس انسان کو ساری دنیا میں بسایا ہے اور اسے ہر جگہ آباد کیا ہے۔ زمین وآسمان کی ہر چیز کو اس کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس انسان کا دوسرے کے ساتھ تعلق کیا ہے؟، ہزاروں میل دُور بسنے والے انسان کا دوسرے ملک میں رہنے والے انسان سے کیا واسطہ ہے؟ ایک قوم کا دوسری قوم سے تعلق کیا ہے؟ ایک نسل کا دوسری نسل سے باہم علاقہ کیا ہے؟ قرآن کریم نے ان سب سوالوں کا جواب اور انسانوں کے تعلقات کی باہم حقیقت کو اُجاگر کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾

(اے لوگو! بیشک ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں رکھا تاکہ تم باہم شناخت کر سکو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم سب میں زیادہ عزت والا وہی ہے جو تم میں سے اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے)۔

یہ آیتِ کریمہ انسان کی اصلیت اور حقیقت کو واضح کر رہی ہے کہ انسان کی تخلیق کا عمل اس کائنات میں کیسے اور کیوں ہوا۔ قرآن مجید نے دو ٹوک انداز میں اس حقیقت کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا ہے کہ سب انسانوں کی تخلیق کا نقطہء آغاز حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے انسانی تخلیق کا عمل شروع ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام خود مٹی سے تخلیق کیے گئے۔ اللہ ربّ العزت نے ان کو پیدا کرکے اپنی خلافت و نیابت کے لیے منتخب کر لیا۔ اسی طرح انسان اس کائنات میں اللہ کا خلیفہ اور نائب ٹھہرا۔ ہر انسان دوسرے انسان سے حضرت آدم علیہ السلام کی بدولت اور اپنے خالق کی نسبت سے وحدت کے تعلق سے جڑا ہوا ہے، اس طرح انسانوں کے مابین وحدت کا رشتہ اپنے خالق کے اعتبار سے بھی ہے اور اپنے خالق کی، پہلی انسانی مخلوق حضرت آدم علیہ السلام کے تعلق سے بھی ہے، گویا ایک انسان کا دوسرے انسان سے پہلا تعلق ہی وحدت کا ہے، اس انسانی وحدت کو رنگ، نسل، قوم، قبیلہ اور علاقہ و خطہ توڑ نہیں سکتے، کوئی مادی امتیاز انسانوں کے درمیان اس روحانی اعزاز کو ختم نہیں کر سکتا۔

وحدتِ نسلِ انسانی

انسانی رشتوں میں جہاں وحدت ہو، وہیں ہم آہنگی، باہمی رواداری کے جذبات، احساسات پروان چڑھتے ہیں، وہیں ایک دوسرے کے ساتھ میل جول بڑھتا ہے جہاں وحدت ہوتی ہے، وہیں محبت اثر پذیر ہوتی ہے، انتشار و خلفشار سے انسانی وحدت پارہ پارہ ہوتی ہے، اس لیے انسانوں کی اَصل اکٹھا ہونا، ایک ہونا، باہم ملنا جلنا، ایک دوسرے کے ساتھ ربط و تعلق رکھنا، ایک دوسرے کے کام آنا اور ایک دوسرے کی حاجات و ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ باہم ہمدردی اور جانثاری کے جذبات ان میں موجود جذبہ انسانیت کی واضح علامت ہیں۔ پس اِسی خیر خواہی کا تعلق ہی ان کو یکجان اور یک قالب بناتا ہے، ایک رشتے میں پروتا اور اکٹھا کرتا ہے، اس لیے باری تعالیٰ نے سب انسانوں کے لیے رشد و

ہدایت کا اہتمام کیا، ہر قوم کی طرف رسول و نبی بھیجے، سب انسانوں کو انسانی وحدت کی اور انسانی ہم آہنگی کی تعلیم دی، سلسلۂ نبوت و رسالت کی ساری تعلیماتِ کا احاطہ کرتے ہوئے اس سلسلے کے آخری رسول، خاتم الانبیاء سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے انسانی وحدت کی تعلیم سارے انسانوں کو یوں دی، ارشاد فرمایا:

"الناس سواسیة کاسنان المشط الواحد لا فضل لعربی علی عجمی الا التقوی"[2]

(لوگ ایک کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت حاصل نہیں مگر تقویٰ کی بدولت)

اس حدیث مبارکہ نے روئے زمین کے تمام انسانوں کو وحدت و یکجہتی کے تعلق میں پرو دیا ہے، ہر انسان دوسرے انسان کے برابر ہے، کوئی انسان دوسرے انسان سے اپنی ذات، اپنے علاقے، اپنے قبیلے، اپنے خاندان، اپنے نسب کے اعتبار سے کم تر نہیں۔ کوئی رنگ کی وجہ سے دوسرے انسان سے افضل نہیں، کوئی زبان کی بناء پر دوسرے انسان سے اعلیٰ نہیں، کوئی نسل کے اعتبار سے دوسرے انسان سے برتر نہیں، کوئی مال و دولت کی وجہ سے دوسرے انسان سے زیادہ شرف و تکریم کا حقدار نہیں، غرضیکہ تمام انسانوں میں انسانی ناطے سے مساوات ہے اور انسانی تعلق سے وحدت ہے اور انسانی ربط سے یکسانیت ہے۔ انسانوں کے درمیان شرف و منزلت، قدر و اہمیت، انفرادیت و افضلیت اور علوت و منزلت کی بنیادیں اس وقت قائم ہوتی ہیں۔ جب انسان اپنے خالق کا فرمانبردار ہو جائے۔ جب اپنے ربّ کے احکامات پر عمل کے حوالے سے تابعدار ہو جائے۔ جب اپنے رب کی رضا کے سامنے اپنی ساری خواہشات ترک کر دے اور خدا کا مقرب ہو کر سب انسانوں کا محبوب ہو جائے۔

آدمیت کی اصل انسانیت

باری تعالیٰ نے انبیاء اور رسلِ عظام کے ذریعے قائم کردہ سلسلۂ رشد و ہدایت کا آخری پیغام تمام انسانوں کے سامنے اپنے آخری رسول ﷺ کے ذریعے حجۃ الوداع کے موقع پر یوں دلوایا، اور رسول اللہ ﷺ نے ساری انسانیت کو مخاطب کرتے ہوئے وحدتِ نسلِ انسانی، مساواتِ نسلِ انسانی اور محبتِ نسلِ انسانی، جملہ انسانوں کے درمیان ہم آہنگی و باہمی رواداری کے رشتے کو استوار کرنے کے لیے یوں تعلیم دی، ارشاد فرمایا:

"ان اللہ قد اذھب عنکم عصبیة الجاہلیة و تعاظمھا بابائھا فالناس رجلان برٌ تقیٌ کریمٌ علی اللہ و فاجرٌ شقیٌ ہینٌ علی اللہ و الناس بنو آدم و خلق اللہ آدم من تراب قال اللہ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم"[۳]

(اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کا غرور اور ایک دوسرے پر خاندانی فخر و تکبر دُور کر دیا ہے، پس اب دو قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ہاں نیک، متقی اور معزز ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ہاں فاسق و فاجر، بدکار و بدبخت اور ذلیل و خوار ہیں (اور یاد رکھو) تم (سب لوگ) حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: بیشک تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے)

اس حدیثِ مبارکہ نے نسلِ انسانی کے درمیان وحدت کے رشتے کی بنیاد اور ان میں باہم اَفضیلت کی اساس کو واضح کر دیا ہے۔ تمام انسانوں میں وحدت اس بنیاد پر ہے کہ سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور سب انسانوں کو حضرت آدم علیہ السلام سے نسبت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے حق میں ''ابوالناس'' کامقام رکھتے ہیں اور سب لوگ باہم بنوآدم کے تعلق سے جڑے ہوئے ہیں۔ یوں سب کی اصل ایک، نسب ایک، حقیقت ایک ہے۔ گویا تمام انسانوں کے درمیان اصل میں اور اپنی حقیقت میں وحدت ہے۔ یہ ہمہ جہتی اور ہمہ گیر وحدت تقاضہ کرتی ہے کہ یہ انسان ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہوں۔ ایک دوسرے کے ساتھ معلق ہوں، ایک دوسرے کے ہمدرد اور خیر خواہ ہوں، اسی تعلق کے انسانوں کے درمیان قائم ہونے کو آج کی جدید دُنیا میں ''انسانیت'' (Humanity) کہتے ہیں۔ اب یہ انسانی تعلق ایک دوسرے کے ساتھ کیسے اور کس طرح استوار ہوگا اور اس انسانی تعلق کو قائم اور دائم رکھنے کے لیے کون کون سے اقدامات کرنے ہوں گے اور کن کن چیزوں ے اعراض کرنا ہوگا نیز کون سے اعمال اپنانے ہوں گے اور کون سے افعال ترک کرنے ہوں گے اور کن اقدار کو باہم استوار کرنا ہوگا اور کن اطوار کو باہم نیست و نابود کرنا ہوگا؟

انسانی خون کی حرمت

رسول اللہ ﷺ نے عالمگیر امن کے قیام کا لائحہ عمل دیتے ہوئے تمام انسانوں کو اس نمونہ عمل کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''یا ایھا الناس ان دماء کم و اموالکم اعراضکم حرام علیکم الی ان تلقوا ربکم کحرمته یومکم ھذا، و کحرمته شھرکم ھذا، فی بلدکم ھذا''[۴]

(اے بنی نوع انسان! بے شک تمہاری جانیں اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں قیامت تک ایک دوسرے پر حرام کردی گئی ہیں، جس طرح آج کے دن کی حرمت اور اس مہینہ کی حرمت تمہارے اس شہر میں برقرار ہے)۔

ایک انسان کو دوسرے انسان سے جو چیز دُور کرتی ہے، وہ اس کی جان پر حملہ ہے، اس کے مال کو لوٹنا ہے، اور اس کی عزت کو پامال کرنا ہے، اگر ایک انسان کی دوسرے کے ہاں جان محفوظ و مامون ہو، اور اس کا مال دوسرے کی دست وبُرد سے بچا ہوا ہو اور اس کی عزت اس کے پاس محفوظ ہو تو یہ تعلق ہی انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب کرتا ہے، اور جہاں جان و مال کے ضائع ہونے اور عزت کے مجروح ہونے کا اندیشہ ہو وہاں انسان اعراض کرتا ہے، اور جہاں م ان سب چیزوں کے حوالے سے حفظ وامان اور ان میں اضافے کا ماحول ہو، وہاں باہمی محبت اپنے سفر کو تیز کرتی ہے۔ انسانوں کا آپس میں خون بہانا ایک حیوانی عمل ہے، ہر گز یہ ایک انسانی عمل نہیں ہے، ناحق خون بہانے کا عمل سراسر انتہا پسندی اور دہشت گردی کا عمل ہے جو عالم انسانیت کے لیے باعثِ عار تو ہے مگر باعثِ افتخار ہر گز نہیں ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''الا لا ترجعوا بعدی ضلالا، لا یضرب بعضکم رقاب بعض''[۵]

(خبردار ! تم میرے بعد پلٹ کر پھر گمراہ نہ ہو جانا، یوں کہ ایک دوسرے کی گردنیں نہ کاٹنے لگ جانا۔ (یہ سب سے بڑی گمراہی ہو گی)۔

انسانوں کے درمیان باہمی محبت ہی ہم آہنگی اور باہمی مکالمے اور باہمی رواداری کی بنیاد بنتی ہے، انسان اپنے جن نظریات و اعتقادات پر ایمان رکھتا ہے اور ان کو اپنی زندگی کی سوچ اور عمل کے طور پر بطور عقیدہ جانتا ہے، ان کا فروغ اور ابلاغ بہر صورت چاہتا ہے۔ اس ابلاغی اور تبلیغی عمل کے لیے اسے ماحول کی سازگاری چاہیے، اور ماحول کی خوشگواری باہم اُنس و محبت کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری تھا کہ تمام انسانوں کو مساوات و ہمدردی کے جذبے کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کر دیا جائے، کسی کو بھی محض نسل اور فقط نسب کے اعتبار سے مفضول نہ ٹھہرایا جائے۔

رواداری اور تکریم انسانیت

رسول اللہ ﷺ نے انسانی نسلوں، طبقوں اور معاشروں کے درمیان مصنوعی فضیلت اور برتری کے تمام دعوؤں کو ختم فرمادیا اور انسانوں کے درمیان عالمی انسانی مساوات کو قائم کرتے ہوئے ان کے مابین باہمی فضیلت کا ایک عادلانہ معیار اور اصول دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"الناس من أدم (کلکم بنو آدم) وآدم من تراب الا کل ماثرۃ او دم او مال یدعی بہ فھو تحت قدمی ھاتین۔ ایھا الناس ان ربکم واحد، واباکم واحد، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، فلیس لعربی علی عجمی فضل ولا لعجمی علی عربی ولا لاسود علی ابیض ولا لابیض علی اسود فضل الا بالتقوی"[6]

(تمام بنی نوع انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تخلیق کیے گئے تھے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے جھوٹے دعوئے، جان و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ اے لوگو! تم سب کا رب ایک ہے اور باپ بھی ایک ہے (اس وحدت نسل انسانی کے باعث تم سب برابر ہو) مگر تم میں بزرگ و برتر وہی ہے۔ جو زیادہ پرہیزگار (بہتر کردار کا مالک) ہے پس کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں اور نہ ہی کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر برتری حاصل ہے، ساری برتریاں، کردار و عمل پر مبنی ہیں)

ایک انسان کا دوسرے انسان سے رشتہ اس اعتبار سے ہے کہ انسان کا خالق و مالک اور ربّ ایک ہے ان ربکم واحد اور ہر انسان من آدم سے ہے اور بنو آدم ہونے کے ناطے سب کا باپ ایک ہے، ان اباکم واحد، یہ دو نسبتیں ہی سب انسانوں کے درمیان بڑی محترم ہیں، اور یہی دو تعلق ہی سب کو وحدت کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ جب تمام انسانوں کے درمیان وحدت کی نسبت متحقق ہو گئی تو ضرورت اس امر کی تھی اس نسبت وحدت کو باہمی محبت اور باہمی رواداری میں بدلا جائے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الخلق کلھم عیال اللہ، احب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ"[7]

(تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کے نزدیک وہ محبوب ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے)

سارے انسان اللہ کی مخلوق ہیں۔اس لیے ساری انسانیت کی باہم نسبت "عیال اللہ" کی ہے۔ایک کنبۂ اللہ کا باہم تعلق ہے۔اس کنبے کا سب سے بہترین فرد، اللہ کی سب سے بہترین مخلوق اور سب سے افضل، اعلیٰ بندہ وہ ہے جو رب کی مخلوق اور رب کے بندوں سے پیار کرے۔ ان کی خدمت کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں نثار کرے۔ایک انسان کا دوسرے انسان سے اختلاف، سوچ اور عمل کا ہے۔ جہاں تک کسی کی نسل اور نسب کا تعلق ہے، یہ تو انسان کے اپنے اختیار میں نہیں۔انسان کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی سوچ اور عمل میں معتدل اور متوازن ہو۔اعلیٰ فکر و عمل اس کی شناخت ہو۔

انسانی مشترکات اور اصولِ رواداری

قرآنی ہدایت یہ دی گئی کہ جہاں جہاں تمہاری سوچ اور عمل میں اختلافات ہیں، جن چیزوں میں وحدت اور یگانگت اور اشتراکات ہیں ان کو ڈھونڈو، اور آپس کے مشترکات پر جمع ہو جاؤ، جو نظریہ اور اعتقاد تمہارے درمیان مشترک ہے اس پر اکٹھے ہو جاؤ، تاکہ تمہارے درمیان ہم آہنگی اور باہمی رواداری کے رشتے مزید استوار ہو جائیں اس لیے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ فَإِن تَوَلَّوْاْ فَقُولُواْ اشْهَدُواْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾[8]

(آپ (ﷺ) فرمادیں :اے اہل کتاب ! تم اس بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور ہم سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا ربّ نہیں بنائے گا پھر اگر وہ رو گردانی کریں تو کہہ دو کہ گواہ ہو جاؤ کہ ہم تو اللہ کے تابع فرمان (مسلمان) ہیں)

اس آیت کریمہ میں اہل کتاب کو مشترکات پر اکٹھے ہونے کی دعوت دی جارہی ہے، کہ ہم اہل اسلام اور دیگر مذاہب والے ان چیزوں پر جمع ہو جائیں، جن کو ہم دونوں مانتے ہیں، جس میں ہمارا باہم اختلاف نہیں بلکہ اتحاد ہے، تو جن نظریات پر ہمارا پہلے اتحاد موجود ہے ہم ان پر اکٹھے ہو جائیں، ان نظریات کے فروغ و ابلاغ کے لیے یکجا ہو جائیں، تو وہ عقیدہ جو اہل کتاب اور اہل اسلام کو باہم اکٹھا کر سکتا ہے وہ "توحید" و آخرت کا عقیدہ ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں مرنے کے بعد قیامت کے دن زندہ ہو کر جوابدہ ہونے کا عقیدہ ہے۔ قرآن کہتا ہے "تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ"[9] ہر وہ کا عقیدہ اور نظریہ جس پر تم اکٹھے ہو سکتے ہو اس پر یکجا ہو جاؤ۔ باہم انتشار اور خلفشار کو کسی نہ کسی حد تک ضرور کم کرو، اکٹھے ہونے کا زیادہ اہتمام کرو مفترق ہونے سے بچو اور اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری پر بھی اکٹھے ہو سکتے ہو۔ اگر اہل کتاب اتحاد اور

متحد ہونے کی ہر دعوت کو مسترد کردیں تو پھر تم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو، البتہ تم خود اللہ کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری پر ڈٹ جاؤ اور جمع جاؤ۔

رسول اللہ ﷺ نے جب یہود سے "میثاقِ مدینہ" کی صورت میں باہم مل جل کر رہنے کا معاہدہ کیا تو اس معاہدے کی دفعات بھی ہماری راہنمائی کرتی ہیں، کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان باہمی تعلقات کو فروغ دینے کی بنیادیں کیا کیا ہو سکتی ہیں؟ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے میثاق مدینہ کی ان دفعات کو بڑے نمایاں انداز میں بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ان دفعات میں ایک دفعہ باہمی تعلقات کو استوار کرنے کے لیے یہ تھی کہ:

۱۔ للیھود دینھم وللمسلمین دینھم
(یہود اور مسلمان اپنے اپنے مذاہب پر عمل میں آزاد ہوں گے)

۲۔ ان بینھم النصح والنصیحۃ والبر دون اثم
(ان کے باہمی تعلقات خیر خواہی، خیر سگالی اور نیکی و بھلائی کے ساتھ ہوں گے جن میں جرم و گناہ نہیں ہوگا)

۳۔ ان النصور للمظلوم[۱۰]
(مظلوم جس بھی طبقے میں ہوگا، اس کی مدد کی جائے گی)

غیر مسلموں کے ساتھ ہم آہنگی کے فروغ کے لیے باہمی معاہدات کیے جا رہے ہیں جن کے تحت مسلمان اور دیگر مذاہب کے لوگ اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہیں اور ان کا باہم زندگی گزارنا خیر خواہی، خیر سگالی، نیکی و بھلائی کے جذبات اور احساسات کے ساتھ ہوگا۔ کوئی بھی ان میں کسی دوسرے پر ظلم و زیادتی نہیں کرے گا اور اگر ان میں سے کوئی کبھی مظلوم ہوگا تو دونوں مل کر اس مظلوم کی مدد کریں گے قطع نظر اس کے، اس کا تعلق مسلمانوں سے ہو یا یہودیوں سے ہو مظلوم ہر کسی کی مدد اور حمایت کا مستحق ہوگا۔ اس ہم آہنگی کے فروغ کے لیے رسول اللہ ﷺ نے یہود سے خریداری بھی کی ہے اور ان سے قرض بھی لیا ہے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت آئی ہے:

"ان النبی ﷺ اشتری طعاما من یھودی الی اجل ورھنہ ذرعہ فی حدید"[۱۱]
(رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے ایک مدت کے لیے غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی ذرہ رہن رکھی)

غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ

رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں سے ہم آہنگی کو فروغ دینے اور باہم امن و سلامتی کے ساتھ رہنے کے لیے مختلف معاہدات کیے اور ان کو بنیادی حقوق کی فراہمی کی تاکید کی۔ غیر مسلموں کے ساتھ کیسے ہم آہنگی کو فروغ دیا جاسکتا ہے؟ اس حوالے سے ہمیں مکمل راہنمائی آپ ﷺ کے اہل نجران سے کیے ہوئے معاہدے کے ذریعے میسر آتی

ہے۔اس معاہدے کا ذکر امام ابو عبید قاسم بن سلام، امام حمید بن زنجویہ، ابن سعد اور بلاذری سب نے اسے روایت کرکے کیا ہے۔ اور اس تحریری معاہدے کی عبارت کچھ یوں تھی:

"ولنجران و حاشیتها ذمة اللّٰہ و ذمة لمحمد النبی رسول اللّٰہ ﷺ علی دمائهم و انفسهم و ملتهم و ارضهم و اموالهم و رهبانیتهم و اساقفتهم و غائبهم و شاهدهم و غیرهم و بعثهم و امثلتهم لا یغیر ما کانوا علیه، و لا یغیر حق من حقوقهم و امثلتهم لا یفتن اسقف من اسقفیته و لا راهب من رهبانیته و لا واقف من وقافیته علی ما تحت ایدیهم من قلیل او کثیر و لیس علیهم رهق"[۱۲]

(اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ نے اہل نجران اور ان کے حلیفوں کو اپنے ذمے لیا ہے اور یہ ذمہ داری ان کے خون، جانوں اور ان کے مذہب کی ہے، اور یہ ذمہ داری ان کی زمینوں، اموال، راہبوں، پادریوں اور ان کے حاضر اور غیر حاضر افراد کی بھی ہے حتیٰ کہ ان کے مویشیوں، قافلوں اور ان کے مذہبی ٹھکانوں کی بھی ہے، جس مذہب پر وہ ہیں اس سے ان کو زبردستی نہیں پھیرا جائے گا ان کے حقوق اور ان کی عبادت گاہوں کے حقوق میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی نہ کسی پادری، نہ کسی راہب، نہ کسی سردار اور نہ کسی عبادت گاہ کے خادم کو خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا ہو، کسی کو اس کے مذہب سے زبردستی ہٹایا نہ جائے گا اور ان پر (اسلامی ریاست میں) کوئی خوف وخطرہ نہ ہوگا)

بین المذاہب ہم آہنگی، باہمی رواداری کے فروغ کے حوالے سے اہل نجران سے رسول اللہ ﷺ کے کیے ہوئے اس معاہدے میں رہنما اصول ہمیں میسر آتے ہیں۔ اقلیتوں اور غیر مسلموں کے سارے مذہبی حقوق بھی یہاں نظر آتے ہیں اور سارے کے سارے بنیادی انسانی حقوق بھی فراہم کیے جاتے ہیں، ایک معاشرہ جو کسی فرد کو حق عطا کرتا ہے وہ سارے حقوق غیر مسلموں کو اسلامی معاشرے میں بھی میسر آتے ہیں بنیادی حقوق کی فراہمی ہی مذہبی ہم آہنگی اور باہمی رواداری کی بنیاد ہے۔ سب سے زیادہ خدشہ وخطرہ مالی حقوق کی پامالی، ان کی چوری اور غصب شدہ کا ہوتا ہے۔ اس حوالے سے امت کو خبردار کردیا کہ کوئی بھی کسی کا ناجائز اور ناحق طریقے سے مال ہڑپ نہ کرے۔

"الا و انی احرم علیکم اموال المعاهدین بغیر حقها"[۱۳]

(خبردار! میں تم کو غیر مسلموں کے اموال پر ناحق قبضہ کرنا حرام کرتا ہوں)

یہی وجہ ہے کہ فتح خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں کے اموال پر ناحق قبضے کو حرام ٹھہراتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"حرم رسول اللّٰہ ﷺ یوم خیبر اموال المعاهدین"[۱۴]

(حضور نبی اکرم ﷺ نے غزوہ خیبر کے موقع پر غیر مسلم شہریوں کے اموال پر قبضہ کرنا حرام قرار دیا)

غرضیکہ رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ ہم آہنگی اور باہمی رواداری کو فروغ دینے کے لیے جو اقدامات کیے، وہ آپ ﷺ کے معاہدات اور دستاویزات کے ذریعے کچھ اس طرح میسر آتے ہیں کہ آپ ﷺ نے

غیر مسلموں کو تمام قانونی حقوق دیئے، ساری مذہبی آزادیاں دیں اور ان کی جان، مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی اور ان کو اہلیت واستحقاق پر ملازمتیں اور انتظامی عہدے دیئے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے باہمی رواداری کے لیے اقدامات

رسول اللہ ﷺ نے جو حقوق غیر مسلموں کو دیئے بعد ازاں آپ ﷺ کے خلفاء راشدینؓ نے بھی آپ ﷺ کی اس سنت پر عمل کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب کوئی اسلامی لشکر بھیجتے تو سپہ سالارِ لشکر کو یہ ہدایات دیتے تھے:

"ولا تفسدوا فی الارض ولا تعصوا ما تومرون ولا تغرقن نحلا ولا تحرقنها ولا تعقروا بهيمة ولا شجرة تثمر ولا تهدموا بيعة ولا تقتلوا الولدان ولا الشيوخ ولا النساء وستجدون اقواما حبسوا انفسهم فی الصوامع فدعوهم و ما حبسوا انفسهم له"[۱۵]

(خبردار! زمین میں فساد نہ کرنا، احکامات کی خلاف ورزی نہ کرنا، کھجور کے درخت نہ کاٹنا، انہیں نہ جلانا، چوپایوں کو ہلاک نہ کرنا اور نہ پھلدار درختوں کو کاٹنا، کسی عبادت گاہ کو مت گرانا، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، تمہیں بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جنہوں نے گرجا گھروں میں اپنے آپ کو محبوس کر رکھا ہے اور دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا)

غرض یہ کہ امیرِ قافلہ و سپہ سالار لشکر کو اس بات کی اجازت نہ تھی کہ وہ دشمنی و عداوت کی آگ میں کسی مریض کو قتل کردے، کسی راہب و پادری کو زندگی کے حق سے محروم کردے اور کسی غیر مسلم کی عبادت گاہ کو منہدم کردے، حتی کہ ہر اس غیر مسلم نفس کو بھی قتل کی ممانعت تھی جو بر سر پیکار نہیں ہوتا اور جو بالکل لڑنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے "عانات" کے لوگوں کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ:

(ان کے گرجے اور عبادت گاہیں منہدم نہیں ہوں گے۔ وہ مسلمانوں کی پنجگانہ نماز کے علاوہ ہر وقت اپنا ناقوس بجاسکیں گے اور یوں ان پر کوئی پابندی نہ ہوگی اور وہ اپنی صلیب اپنی عید پر نکال سکیں گے)[۱۶]

حقوق کی فراہمی اور ان کی مسلسل ترسیل نے غیر مسلموں کو اسلامی معاشرے کے ساتھ ہم آہنگ رکھا، اسلامی معاشرے کا ہر عادلانہ اقدام ان میں ہم آہنگی اور باہمی رواداری کے جذبات کو مزید فروغ دیتا رہا، یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم شہری خود کو کسی اور جگہ سے زیادہ محفوظ صرف اور صرف اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرت میں ہی محسوس کرتے تھے۔ غرضیکہ غیر مسلم شہری اسلامی ریاست میں جملہ بنیادی حقوق کی ادائیگی اور فراہمی کی وجہ سے خوش و خرم تھے اور زیادہ محفوظ اور زیادہ آزاد تھے۔

اس لیے (Montgomery Walt) منٹگمری واٹ نے اس حقیقت کا اعتراف یوں کیا ہے:

"The Christian were probably belter off an dhim mir wnder Muslim Arab aler, that they dad been under the Byzantine Greeks." [17]

(عیسائی رعایا خود کو عرب مسلم حکمرانوں کے دور اقتدار میں غیر مسلم شہری کی حیثیت سے اپنے آپ کو زیادہ محفوظ سمجھتے تھے بہ نسبت اس کے جب وہ یونانی بازنطینی حکمرانوں کی رعیت میں بھی تھے مگر اتنے زیادہ محفوظ نہ تھے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے باہمی رواداری کے لیے اقدامات

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دورِ حکومت میں غیر مسلموں کی حفاظت کے لیے طرح طرح کے اقدامات و احکامات دیتے رہے۔ آپؓ شام کے گورنر حضرت ابو عبیدہؓ کو یہ ہدایات دیتے ہوئے نظر آتے ہیں:

"وامنع المسلمین من ظلمھم والاضرار بھم واکل اموالھم الا بحقھا" [18]

(تم بحیثیت گورنر مسلمانوں کو غیر مسلم شہریوں پر ظلم کرنے اور انہیں ضرر پہنچانے اور ناجائز طریقہ سے ان کے مال کھانے سے سختی کے ساتھ منع کرو)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا طریقہ کار یہ تھا کہ جب بھی آپ کے پاس کے مختلف وفود آتے، جن کا تعلق آپ کی ماتحت ریاستوں کے ساتھ ہوتا، آپؓ ان سے غیر مسلم شہریوں کے اموال دریافت فرماتے اور پوچھتے کہ کہیں مسلمان انہیں کسی قسم کی تکلیف تو نہیں دے رہے ہیں۔ ان وفود کے افراد کا بیک زباں یہی جواب ہوتا: آپ مسلمانوں نے ہم سے جو عہد و پیماں کیا تھا، اس پر آپ پورے اُترے ہیں اور ہمیں آپ سے کوئی تکلیف نہیں ہے [19]۔ حضرت عمر فاروقؓ اقلیتوں کے حقوق کے باب میں ہمیشہ اہتمام اور انتظام کرتے رہتے، باوجود اس کے آپ کو شہید کرنے والا شخص بھی ایک اقلیتی فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ آپؓ نے اس موقع پر بھی یہ وصیت کی:

"اوصی الخلیفۃ من بعدی بذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ ﷺ ان یوفی لھم بعھدھم وان یقاتل من ورائھم وان لا یکلفوا فوق طاقتھم" [20]

(میں اپنے بعد والے خلیفہ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذمہ میں آنے والے غیر مسلم شہریوں کے بارے میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا جائے، ان کی حفاظت کے لیے بوقت ضرورت لڑا بھی جائے اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے)۔

غرضیکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا۔ اور آپ رضی اللہ عنہ غیر مسلم شہریوں سے ٹیکس وصول کرنے کے لیے نرمی و رفق کو اپنانے کی تاکید کرتے، اور اس حوالے سے ان کو کسی قسم کی تکلیف میں مبتلا نہ کرنے کا حکم ارشاد فرماتے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی کسی غیر مسلم کو ٹیکس کی وصولی کے لیے دھوپ میں بلاوجہ کھڑا کرتا تو اس کی آپؓ سخت گرفت فرماتے اور اس عمل سے اس کو سختی سے منع کرتے۔ ایک مرتبہ شام کے سفر کے دوران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے عامل ٹیکس وصول

کرنے کے لیے غیر مسلم شہریوں کو دھوپ میں کھڑا کرکے ایک قسم کی سزا دے رہے ہیں، ان سے مخاطب ہوتے ہوئے آپؓ نے فرمایا:

"فدعوهم لا تكلفوهم مالا يطيقون، فاني سمعت رسول اللهﷺ يقول: لا تعذبوا الناس، فان الذين يعذبون الناس فى الدنيا يعذبهم الله يوم القيامة"[21]

(ان کو چھوڑ دو، ان کو ہرگز تکلیف نہ دو جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے۔ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ لوگوں کو عذاب نہ دو، بے شک جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں اللہ انہیں قیامت کے دن عذاب دے گا)

غیر مسلموں کے ساتھ مسلمان حکمرانوں کا جو سلوک تھا، یہی حسنِ سلوک ہی ان کے دلوں میں ہم آہنگی، باہمی رواداری کے جذبات، احساسات پیدا کرتا تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کسی غیر مسلم کو بڑھاپے میں بھیک مانگتے دیکھا تو آپؓ نے فرمایا: ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا اس لیے کہ ہم نے تمہاری جوانی میں تم سے ٹیکس وصول کیا اور اب تمہارے بڑھاپے میں ہم نے تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ آپؓ نے اس غیر مسلم کے لیے بیت المال سے وظیفہ کی ادائیگی کا حکم جاری کیا۔ امام ابو عبید القاسم اپنی کتاب "الاموال" میں اس واقعہ کو یوں نقل کرتے ہیں:

"ان امير المومنين عمر مرّ بشيخ من اهل الذمة يسئال على ابواب الناس فقال ما انصفناك ان كنا اخذنا منك الجزيه فى شيبتك ثم ضيعناك فى كبرك قال ثم اجرى عليه من بيت المال ما يصلحه"[22]

(امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ غیر مسلم شہریوں میں سے ایک بوڑھے شخص کے پاس سے گزرے جو لوگوں کے دروازوں سے بھیک مانگتا تھا، آپؓ نے فرمایا: ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ ہم نے تمہاری جوانی میں تم سے ٹیکس وصول کیا پھر تمہارے بڑھاپے میں تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپؓ نے اس کی ضروریات کے لیے بیت المال سے وظیفہ کی ادائیگی کا حکم جاری فرمایا)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے غیر مسلموں کی معاشی کفالت کا اہتمام بھی فرمایا، اگر وہ کسی وجہ سے بے روزگار ہوئے تو بیت المال سے ان کے لیے وظیفہ کا اجراء کیا تاکہ وہ عزت کے ساتھ اپنی زندگی کے معاملات چلا سکیں انہیں کسی کے سامنے اپنا ہاتھ دراز نہ کرنا پڑے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے باہمی رواداری کے لیے اقدامات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے واقعہ کا کیس خلیفۂ وقت کے سامنے آتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے قتل کی سازش میں تین افراد ملوث ہوتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، جو

حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے ہیں اس سازش کے بے نقاب ہونے پر طیش وغصے میں آکر انتقامی جذبے کے تحت ان تینوں افراد کا خون کردیتے ہیں۔ ان تین میں سے ایک مسلمان اور دو غیر مسلم ہیں، حضرت عبداللہؓ کو گرفتار کرلیا جاتا ہے، حضرت عثمان غنیؓ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی پہلے اس کیس کا فیصلہ کرنا چاہا، صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور ان کی رائے لی گئی، انہوں نے قرآن کی رُو سے یہ فیصلہ دیا کہ جان کے بدلے میں جان ہے، اس لیے تمام صحابہ کرام نے یہ فیصلہ دیا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر کو سزائے موت دی جائے، یہ فیصلہ ہوگیا مگر مقتولین کے ورثاء اپنی رضامندی سے خون بہا پر راضی ہوگئے، یوں خون بہا دیت کی رقم تینوں مقتولین کے لیے برابر تقسیم کردی گئی۔[۲۳]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باہمی رواداری کے لیے اقدامات

حضرت علیؓ کی خلافت میں بھی سابقہ خلفائے اسلام کے ادوار کی طرح غیر مسلموں کے حقوق محفوظ تھے۔ حضرت علیؓ کی خدمت میں ایک مسلمان کو پکڑ کر لایا گیا جس نے ایک غیر مسلم کو قتل کیا تھا۔ ثبوت مل جانے پر آپؓ نے قصاص میں مسلمان کے قتل کیے جانے کا حکم دے دیا۔ مگر قاتل کے ورثاء نے مقتول کے بھائی کو خون بہا دے کر معاف کرنے پر راضی کرلیا، حضرت علیؓ کو جب اس کا علم ہوا تو آپؓ نے مقتول کے وارث کو فرمایا:

"لعلهم فزعوک او هددوک"[۲۴]

(شاید ان لوگوں نے تجھے ڈرادھمکا کر یہ کہلوایا ہے)

اس نے کہا نہیں ایسا نہیں، بات در حقیقت یہ ہے کہ قاتل کے قتل کیے جانے سے میرا بھائی تو واپس نہیں آئے گا مگر یہ اب مجھے دیت دے رہے ہیں جو بھائی کے پسماندگان کے لیے کفایت کرے گی، اس لیے میں بغیر کسی دباؤ کے اپنی مرضی سے ان کو معاف کر رہا ہوں۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا: اچھا تمہاری اپنی مرضی، اور تم اپنے معاملے کو بہتر سمجھتے ہو، لیکن بہر حال ہماری شریعت کا اصول یہی ہے:

"من کان له ذمتنا فدمه کدمنا و دیته کدیتنا"[۲۵]

(جو ہماری غیر مسلم رعایا میں سے ہے اس کا خون اور ہمارا خون برابر ہے، اس کی دیت ہماری دیت کی طرح ہے)

حضرت علیؓ نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

"اذا قتل المسلم النصرانی قتل به"[۲۶]

(اگر کسی مسلمان نے عیسائی کو قتل کیا تو وہ مسلمان (اس کے قصاص میں) قتل کیا جائے گا)

غیر مسلموں پر سب سے بڑا ظلم ان کے حقوق میں سے سب سے بڑا ڈاکہ تو یہی ہوتا تھا، اگر یہ کسی مسلمان کو قتل کردیں تو اس کے بدلے میں ان کو قتل کیا جائے اور اگر صورتِ حال مختلف ہو اور اگر یہ کسی مسلمان کی طرف سے قتل کیے جائیں تو اسلامی ریاست مسلمان کو صرف اس لیے چھوڑ دے کہ وہ مسلمان ہے، اسلام نے اس امتیاز کو روا نہیں رکھا، اور یہی تعلیم دی ہے کہ جان خواہ مسلمان کی ہو یا غیر مسلم کی قابلِ احترام اور قابلِ تکریم ہے، قانون سب کے لیے یکساں ہے، جو قاتل ہے وہ قصاص میں قتل کیا جائے گا، خواہ اس کا تعلق اسلام سے ہو یا عیسائیت سے، یہودیت

سے ہو، یا کسی بھی مذہب سے ، قانون کی گرفت سے نہیں بچ سکتا۔اسلامی قانون یہ ہے کہ ہر قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ کوئی بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے ہاں اگر ورثاء دیت اور خون بہا پر راضی ہو جائیں تو شریعتِ اسلامی ان کو یہ اختیار عطا کرتی ہے کہ وہ اپنی مرضی سے بغیر کسی دباؤ و دھمکاؤ کے، جو چاہیں فیصلہ کر سکتے ہیں۔

قرآن مجید کی آفاقی تعلیمات اور انسانی وحدت

اسلام نے وحدتِ نسل انسانی کی طرف تمام جہاں کے لوگوں کو متوجہ کیا ہے۔قرآن مجید کا آفاقی پیغام اسی حقیقت کو جابجا اُجاگر کرتا ہے۔ ایک انسان سے انسانیت کے ناطے محبت اور مودّت کا تعلق قائم کرنے کی ضرورت کا احساس دلاتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاۗءً﴾[۲۷]

(اے لوگو! اپنے ربّ سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی، پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا، پھر ان دونوں سے بکثرت مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا)۔

زبانوں، رنگوں، علاقوں اور خطوں کا مختلف ہونا جنسِ انسان کا تنوع ہے۔ یہ عمل باہم تفضل اور تکبر کا باعث نہیں بلکہ باہم تعارف اور شناخت کا سبب ہے۔ایک ہی ڈھانچہ رکھنے والے انسان کی جلد کا رنگ کالا، گورا، سانولا، گندمی، سفید اور سرخی مائل ہوتا ہے انسانی جلد پر یہ سارے رنگ اللہ ہی کی عطاء ہیں اور ایک ہی ساخت کے انسان سے اس کی لسان کے ذریعے طرح طرح کے الفاظ، کلمات اور جملوں کا صدور بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی ہے۔اس نشانی کی سمجھ اس کو ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قلب سلیم، فطرتِ سلیم، فکر صائب اور عملِ صالح دیا ہے۔اس لیے قرآن نے انسانی الوان و لسانات کو اللہ کی آیات قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ﴾[۲۸]

(اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق بھی ہے اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف بھی ہے، بیشک اس میں اہل علم (تحقیق) کے لیے نشانیاں ہیں)

بعض انسان دوسرے انسان سے زبان کی بناء پر نفرت کرتے ہیں اور کچھ لوگ دوسروں سے ان کی جلدوں کے رنگ کی بناء پر انہیں حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اسی طرح انسان دوسرے انسان سے اپنی نفرت کی بنیادوں کو وسیع کرتا گیا حتی کہ اس نے علاقے اور خطے کی بنا پر دوسرے انسان سے منافرت اختیار کرنا شروع کر دی۔ انسان کی ان ساری پہچانوں کو باری تعالیٰ نے اپنی آیات اور اپنی نشانیاں قرار دیا تھا۔ان نشانیوں میں تنوع اور اختلاف ایسے ہی ہے جیسے انسان کے مختلف اعضاء میں اختلاف ہے مگر یہ سارے اعضاء مل کر انسان بنتے ہیں۔اسی طرح انسانوں کے یہ سارے

متفرقات اور تفردات اکٹھے ہو کر ایک کامل انسان کی صورت میں ڈھلتے ہیں۔ انسانیت یہ ہے اور یہ تھی اور یہ ہونی چاہیے، جس کو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا:

بنی آدم اعضائے یک دیگراند — جوں بعضے ز بعضے اگرچہ کمتراند
جوں عضوے بدرد آید آزر دگار — دگر عضوہا را نماند قرار[۲۹]

"سارے انسان ایک دوسرے کے اعضاء ہیں، جس طرح ان میں کوئی چھوٹا اور کوئی بڑا ہے، مگر جب کسی عضو میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو دوسرے تمام اعضاء بھی اس کی تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔"

اس تصور کو علامہ محمد اقبالؒ نے اپنے اشعار میں یوں بیان کیا:

آدمیت احترام آدمی — باخبر شو از مقام آدمی[۳۰]

جہاں تک نسل انسانی کی وحدت کا تصور ہے۔ اسلام کی تعلیمات اس باب میں بڑی واضح ہیں مگر عصر حاضر میں بین المذاہب ہم آہنگی مکالمے اور بین المذاہب رواداری کی ضرورت پر بہت زیادہ زور دیا جارہا ہے۔

بین المذاہب ہم آہنگی، مکالمے اور رواداری کے قرآنی اُصول

اس حوالے سے اسلامی تعلیمات کے باب میں یہ بات ہر شخص پر بڑی واضح ہے۔ بین المذاہب ہم آہنگی، مکالمے اور رواداری کا پہلا قرآنی اصول یہ ہے کہ اسلام مذہب کے حوالے سے کسی قسم کے جبر واکراہ کا قائل نہیں۔ کسی بھی شخص کو جبراً اسلام میں داخل نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن مجید نے واضح اعلان کیا ہے:

﴿لَآ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَيِّ ﴾[۳۱]

(دین میں کوئی زبردستی نہیں، بیشک ہدایت، گمراہی سے واضح ہو چکی ہے)۔

اب کسی کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جاسکتا، کسی کی مرضی کے بغیر بالاکراہ اس سے کلمہ نہیں پڑھوایا جاسکتا، اور نہ ہی زور وجبر کے ذریعے اس کا نام مسلمان رکھا جاسکتا ہے۔

دوسرا اصول بین المذاہب ہم آہنگی، باہمی رواداری اور مکالمے کے باب میں قرآنِ مجید نے یہ دیا ہے کہ ہر کوئی اپنے اپنے مذہب پر قائم رہے۔ ہر کوئی اپنے دین پر عمل کرکے اپنے نبی کی شریعت کو اختیار کرے، اس لیے فرمایا:

﴿لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ﴾[۳۲]

(سو تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے ہے)۔

اس آیتِ کریمہ کے مطابق بین المذاہب ہم آہنگی، باہمی رواداری اور بین المذاہب مکالمے کے ذریعے کسی کے مذہب کو تبدیل کرنا، کسی کو زبردستی دوسرے مذہب کا پیروکار بنانا نہیں ہے بلکہ بین المذاہب ہم آہنگی، مکالمے اور باہمی رواداری کے ذریعے مشترکات پر جمع ہو کر عالم انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے اقدامات کرکے ایسے امور سرانجام دینا ہیں جن سے انسانوں کا باہمی وقار، عزت واحترام ایک دوسرے کی جان ومال کی حفاظت، ایک دوسرے کی علمی، تحقیقی، معاشی، معاشرتی، سائنسی، سیاسی، تمدنی، فنی، تکنیکی اور جدید ٹیکنالوجی کے باب میں سارے انسانوں کی

جملہ ضروریات کی تکمیل کا سامان خوش اسلوبی کے ساتھ مکمل ہوسکے یہ بین المذاہب ہم آہنگی، بین المذاہب مکالمے اور بین المذاہب رواداری کے بنیادی اغراض و مقاصد ہیں، جن پر انسانیت کی بقاء، فلاح کی بنیادی روح ہے۔

بین المذاہب ہم آہنگی، مکالمہ اور باہمی رواداری کی عصری ضرورت

بین المذاہب ہم آہنگی، مکالمہ اور باہمی رواداری وقت کی اہم ضرورت ہے۔ کوئی بھی ذی ہوش اور ذی فہم انسان اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس لیے اس وقت بین المذاہب ہم آہنگی سے محرومی، م مکالمے سے لاتعلّقی اور بین المذاہب رواداری سے دوری کی بناء پر عصر حاضر میں ہماری معاشرتی زندگی من حیث المجموع ایک دوزخ کا منظر پیش کر رہی ہے جہاں ہر طرف بارود پھٹ رہا ہے۔ قتل وغارت گری کے ذریعے زمین خون سے تربتر ہے، خود کش حملے ہر سُو ہو رہے ہیں۔ لاکھوں بے گناہ انسانوں کا اب تک خون کر دیا گیا ہے۔ یہ آگ ایسی چلی اور پھیلی ہے کہ ٹھنڈا ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی، ایک خطے سے یہ دہشت گردی و قتل غارت گری کی آگ اگر کچھ سرد ہوتی ہے تو اچانک دوسری طرف بھڑک اُٹھتی ہے۔ انسانیت آج ماتم کناں ہے، انسان دوسرے انسان سے ہی سراپا احتجاج ہے، مگر پھر بھی شنوائی نہیں ہو رہی، ایک شیطانی کھیل ہے جو ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے، کیا ایسے منظر میں ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہوں کہ کل کیا ہو جائے گا؟ ہمیں آج بہت کچھ کرنا ہے، ہمیں اپنے کل کو سنوارنے کے لیے اپنے آج کو بہتر کرنا ہے۔ یہ آواز ہر ایک کے دل کی آواز ہے، یہ آواز، فطرت کی صدا ہے، اور یہ صدا اس کائنات کی صدا ہے کہ اس کو اَب سنوارا جائے و بہتے خون سے پاک کیا جائے اور اس دھرتی کے اشرف المخلوق انسان کو دوبارہ شرفِ انسانیت سے ہمکنار کیا جائے اس کی زبان، ہاتھ، اور اعضاء کو امن و سلامتی کی علامت بنایا جائے۔ اس لیے کہ اس زمین و آسمان کی فضاؤں سے بلند ہونے والی اس آواز پر ہمیں کان دھرنے ہیں، اور وہ آواز زمین کے چپے چپے سے یہ آرہی ہے:

کوئی مسیحا ادھر بھی دیکھے، کوئی تو چارہ گری کو اُترے   اُفق کا چہرہ لہو سے تر ہے، زمین جنازہ بنی ہوئی ہے

بین المذاہب مکالمے اور باہمی رواداری کا بنیادی تصور

جہاں تک مکالمے کی ضرورت و اہمیت، بین المذاہب تعلقات کو قائم کرنے اور باہمی رواداری کو فروغ دینے کا معاملہ ہے، اس کا کوئی ذی ہوش اور ذی فہم انسان انکار نہیں کر سکتا، مکالمے کو لغوی تناظر میں دیکھیں تو یہ ''کلم'' سے ماخوذ ہے جسے انگریزی زبان میں Dialogue سے تعبیر کرتے ہیں۔ اُردو میں اس کے لیے لفظ ''مکالمہ'' مستعمل ہوتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد اشخاص کے درمیان جو بات چیت ہوتی ہے اسے ''مکالمہ'' کہتے ہیں۔ ''مکالمہ'' کسی سے مخاطب ہونا اور کسی سے رُوبرو گفتگو کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس لیے بعض لغویین نے مکالمہ کا مفہوم ہی ''گفتگو کرنا'' اور ''بات چیت'' کرنے کو ٹھہرایا ہے[۳۳]

اسی طرح Edward William Lane لکھتا ہے:

> "A Formal Discussion between two groups or countries especially when they are trying to solve a problem and a disagreement etc. "[۳۴]

اسی طرح مکالمہ کی ایک اور تعریف کچھ یوں کی گئی ہے:

"To give to meet to exchange or to negotiate. "[۳۵]

اگر لفظ "مکالمہ" کو ہم زبانِ اصطلاح کے تناظر میں دیکھیں تو اس کا مفہوم یہ بنتا ہے:

"اصطلاح میں مکالمہ یا کلام، منظّم اور مرتب الفاظ اور اُن کے معانی، دونوں کے مجموعے کو "مکالمہ" کہتے ہیں۔"[۳۶]

جہاں تک "Dialogue" کا مفہوم و مطلب ہے، تو اس حوالے سے اس کا اصل اور اساسی معنٰی یہ بیان کیا گیا ہے:

"The root of the word dialogue(from the Greek dialogues, from dia, across and legion to speech tells is that it is the effort to share meaning with someone by intercultural or interfaith dialogue. We mean a conversation between different individuals or groups whose purpose is simply honest engagement and marriage

mutual understanding." [۳۷]

مکالمہ سے باہمی رواداری کا فروغ

مکالمہ انسان کو انسان کے قریب کرتا ہے اور اس میں رواداری کے جذبات و احساسات کو فروغ دیتا ہے۔ جہاں تک مکالمے کی تاریخی اہمیت کا تعلق ہے تو یہ مکالمہ فرشتوں اور اللہ ربّ العزت کے درمیان تخلیقِ آدم علیہ السلام کے باب میں ہوتا ہے۔[۳۸]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مکالمہ اللہ ربّ العزت کے ساتھ اس اعتبار سے ہوتا ہے کہ آپؑ عرض کرتے ہیں کہ مولا! مجھے بتا تُو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟[۳۹]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ اپنے ربّ سے ہوتا ہے کہ اے میرے ربّ! مَیں تیری دید کا خواہشمند ہوں۔[۴۰]

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ ہے جب اللہ ان سے فرمائے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم مجھ کو اور میری ماں کو اللہ کے سوا، دونوں کو معبود بنالو۔ وہ عرض کریں گے: اے اللہ! تو پاک ہے، میرے لیے یہ روا نہیں کہ مَیں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں، اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو یقیناً تُو اسے جانتا ہے اور تُو ہر اُس بات کو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور مَیں ان باتوں کو نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہیں۔[۴۱]

اسی طرح سورہ کہف میں اصحاب الجنتین کے درمیان مکالمہ ہے۔[۴۲]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ رب العزت سے مکالمہ ہے جب انہیں اپنا لختِ جگر اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا حکم ملا۔[۴۳]

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کا اپنے ساتھ جھگڑنے والوں کے ساتھ مکالمہ ہے۔[۴۴] شعیب علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ مکالمہ ہے۔[۴۵]

حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں ہابیل اور قابیل کے درمیان مکالمہ ہے۔[۴۶]

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے درمیان مکالمہ ہے۔[۴۷]

غرضیکہ اور بھی متعدد آیات ہیں جن میں اللہ ربّ العزت اپنے مقرب بندوں سے مکالمے کی صورت میں اُن سے مخاطب ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اپنی قوم سے مکالمہ کرتے رہے ہیں۔ قصص الانبیاء در حقیقت مختلف انبیاء علیہم السلام اور اُن کی قوموں کے درمیان مکالمے ہی کی صورت ہے۔ اللہ ربّ العزت نے فرمانبردار مومنوں اور مسلمانوں کے ساتھ مکالمہ کیا ہے اور اس کے ساتھ نافرمانوں اور کافروں کے ساتھ بھی مکالمہ کیا ہے۔ مکالمے کی صورت میں اپنی گفتگو اور اپنے کلام کو دوبدو کیفیت میں مخاطب کو سمجھایا جاسکتا ہے اور یوں مخاطب کو کوئی اعتراض ہو تو اس کا جواب دیا جاسکتا ہے ،اور اس طرح " تفہیمِ مسئلہ " کا عمل بہترین طریقے سے مکمل ہوتا ہے اور اس کے بعد ’’تسلیمِ مسئلہ ‘‘ کا آغاز ہوتا ہے گویا مکالمے کی کل حقیقت تفہیم مسئلہ اور تسلیم معاملہ ہے۔

باہمی رواداری اور مکالمہ کی ضرورت واہمیت

باہمی روادی کے مکالمے کی اہمیت کو ہم احادیث مبارکہ میں بھی بکثرت دیکھتے ہیں، اسلوب قرآن کا سب سے بڑا اثر ہمیں حدیثِ رسول ﷺ میں نظر آتا ہے۔ اس حوالے سے ’’حدیثِ جبرئیل‘‘ ،رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے درمیان ایک خوبصورت مکالمے کی روشن مثال ہے۔ حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ، ایک آدمی آیا جس کے کپڑے گرد سے اَٹے ہوئے نہ تھے اور نہ ہی اُس کے بال منتشر تھے اور نہ ہی اس پر سفر کے کوئی ظاہری آثار دکھائی دیتے تھے ، ہم میں کوئی بھی اُس کو نہ پہچان سکا ، یہاں تک کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس اس حالت میں بیٹھا۔اُس نے اپنے گھٹنے آپ ﷺ کے گھٹنوں سے ملالیے اور اپنے ہاتھ اُن پر رکھ دیے ، ایک سائل کے طور پر گویا ہوا: یارسول اللہ ! مجھے بتایئے کہ ایمان کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر ایمان لانا، آدمی کے فوت ہوجانے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونے اور فوت ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر یقین کرنے کا نام ایمان ہے۔اوراسی سائل نے دوسرا سوال پوچھا: یارسول اللہ ! اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسلام یہ کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز کا اہتمام پورے دوام کے ساتھ کرتے رہو اور رمضان کے روزے رکھو، زکوٰۃ ادا کرو اور حج کرو۔ اور پھر وہ سائل سوال کرتا ہے ، یارسول اللہ ﷺ احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: احسان یہ ہے کہ آپ اللہ کی عبادت اس قدر استغراق اور ذوق و شوق کے ساتھ کریں کہ گویا آپ ربّ کو دیکھ رہے ہیں (اگر یہ کیفیت حاصل نہ ہو) تو یوں تصور کرو کہ گویا اللہ تبارک وتعالیٰ تم کو دیکھ رہا ہے۔سائل نے پھر ایک سوال پوچھا یارسول اللہ ﷺ قیامت کا وقوع کب ہوگا؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس سے قیامت سے متعلق سوال کیا جارہا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا، تاہم میں آپ کو اس کی علامات بتادیتا ہوں کہ قیامت سے پہلے اس طرح کے حالات ظاہر ہوں گے کہ لونڈی اپنے آقا کو جنم دے گی، سیاہ اُونٹوں کو چرانے والے بلند و بالا اور عالیشان عمارتیں بنائیں گے اور یوں باہمی تفاخر اور تکبر کا اظہار کریں گے۔ اس کے بعد وہ سائل رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ سے رخصت ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو ارشاد فرمایا: اس سائل کو واپس میرے پاس بلا کر لاؤ۔ چنانچہ صحابہ کرام نے اسے کافی تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔ اس پر رسول

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ جبرائیل امین تھے جو مسلمانوں کو دین کے احکام سکھانے کے لیے آئے تھے۔[۴۸] اسی طرح ایک اور حدیث مکالمے کی اہمیت کو اچھی طرح واضح کرتی ہے۔ایک صحابی رسول، اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آکر اپنی پریشانی کا اظہار کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ! میرے ہاں ایک کالا کلوٹا بچہ پیدا ہوا ہے، ایسا کیوں ہے؟رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں ؟ صحابی نے عرض کیا: جی ہاں یارسول اللہ ﷺ موجود ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے پوچھا ان کے رنگ کیسے ہیں؟اُس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ وہ سرخ رنگ کے ہیں۔پھر سوال کیا،کیا ان میں سے کوئی اُونٹ سیاہی مائل سفید بھی ہے۔صحابی نے عرض کیا: جی ہاں یارسول اللہ ﷺ۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: پھر یہ کہاں سے آگیا؟ صحابی نے کہا یہ اپنی نسل کے کسی بہت پہلے اُونٹ پر گیا ہوگا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسی طرح تمہارا یہ بچہ بھی اپنی نسل کے کسی دور کے رشتے دار پر پڑا ہوگا[۴۹]۔

مکالمہ انسانی مسائل کا حل ہے

درج بالا قرآنی اور نبوی تعلیمات کے ذریعے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ مکالمے کا شرعی جواز اسلام میں موجود ہے۔ مکالمہ کے ذریعے انسانوں کے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل حل ہوئے ہیں۔ایک دوسرے کا نقطہ نظر سمجھنے میں مدد ملی ہے، جو غلط فہمیاں انسانوں کے مابین، خواہ مخواہ پیدا ہو جاتی ہیں اُن کا تدارک اور اچھی طرح ازالہ ہوا ہے اور اسی مکالمے سے ہی معاشرے میں باہمی رواداری اور باہمی ہم آہنگی کی اقدار کو فروغ ملا ہے۔

آج تیزی کے ساتھ بدلتی ہوئی دُنیا کے بڑھتے ہوئے مسائل کا حل مکالمہ میں ہے۔اگر آج ہم مکالمہ کو میڈیا کے ذریعے عام کردیں، سیمینارز کے ذریعے فروغ دیں، مختلف ورکشاپ کے ذریعے اصل مسئلے کو سمجھیں، مختلف سطح پر بڑی بڑی کانفرنسز کا انعقاد یقینی بنائیں، مختلف اقوام ایک دوسرے کے نکتۂ نظر کو سمجھنے کے لیے اپنے اپنے وفود بھجوائیں اور کالجز و یونیورسٹیز میں مختلف سکالرز کے لیکچرز کا انعقاد کرائیں، بڑے بڑے مذاہب پر مشتمل ایک عالمی تنظیم کا قیام عمل میں لایا جائے جو مختلف مذاہب کے درمیان مکالمہ کا یقینی انعقاد کرائے، مکالمہ کو ہر جگہ فروغ دینے کے لیے بین الاقوامی سطح پر اقدامات کیے جائیں اور دُنیا بھر کے ذرائع ابلاغ کسی بھی مسئلے پر مکالمہ کے دروازے اہلِ علم پر کھول دیں۔ نیز باہمی رواداری اور مکالموں کے سبب انسان دوستی کو فروغ دیا جائے۔ مکالموں کے ذریعے انسانوں کے مابین جنگوں کو انسانیت کی ہلاکت تصور کیا جائے اور ان کی سختی سے بیخ کنی کی جائے، انسانوں کی ترقی اور خوشحالی کو باہمی مکالموں کے ذریعے فروغ دیا جائے، عالمی امن اور انسانی اتحاد اور انسان دوست معاشرے کو باہمی مکالموں کے موضوعات بنایا جائے تو یوں ہم انسانیت کی بہترین خدمت اپنے مکالمات کے ذریعے کرسکتے ہیں۔اور معاشرے میں ہر سمت باہمی رواداری کو فروغ دے سکتے ہیں۔

خلاصہ

آج عالمِ انسانیت کو جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ تمام خطوں اور ملکوں میں بسنے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہونا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ روادار ہونا ہے اور ایک دوسرے کی عزت وآبرو کی حفاظت کرنی ہے اور دوسرے انسانوں کی جان ومال کے تحفظ کا احساس دلانا ہے اور ہر کسی کو بلاظلم و زیادتی انصاف اور عدل کے یکساں مواقع فراہم کیے جائیں ، کسی کا بھی حق نہ مارا جائے اور کسی کو بھی ناحق تکلیف نہ دی

جائے۔انسانوں کے درمیان محبت و مودّت کو فروغ دیا جائے اور ایک دوسرے کی عزت و احترام کا پاس کیا جائے۔ کسی کے مذہبی اعتقادات پر حملہ نہ کیا جائے، ہر کسی کو آزادانہ طور پر اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کا موقع فراہم کیا جائے۔یہی ہم آہنگی اور مکالمہ اور رواداری کا سلسلہ انسان کو انسان کے قریب تر کردے گا، ہم اپنی غیرت ایمانی نہ بیچیں، حالات کے مطابق صبر کریں اور اپنی قوتِ برداشت میں اضافہ کریں، کسی کے لیے کوئی ناجائز قید اور قدغن نہ لگائی جائے۔ ہر انسان دوسرے انسان کا بحیثیتِ انسان احترام کرے، اور اس کی عزت اور عظمت کا خیال ولحاظ کرے۔یہ سارے جذبات واحساسات ''بین المذاہب ہم آہنگی'' اور ''بین المذاہب مکالمے اور بین المذاہب رواداری'' کی صورت میں بہترین انداز سے فروغ پا سکتے ہیں۔اور ان کی ترویج واشاعت ہی انسانیت کو اپنی منزل کی طرف لے جائے گی۔

بین المذاہب ہم آہنگی اور باہمی رواداری پر عمل، ہماری انفرادی واجتماعی ذمہ داری کا، یہ ایک پہلا قطرہ ہی کیوں نہ ہو، مگر اس کے اثرات دیر پا ہوں گے۔بین المذاہب ہم آہنگی اور مکالمے اور باہمی رواداری کی صورت میں یہ احساس ہمیں ضرور ہوگا کہ ہم نے ایک بہت بڑا کردار ادا کرنا ہے،اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی تو پھر بھی ہمیں یہ احساس لازمی ہوگا کہ ہم نے اپنے عصر کے لوگوں کو ایک سمت ضرور دی ہے اور اُن کو ہلاکت سے بچایا ہے۔اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کسی نے کیا خوب کہا:

مانا کہ اس زمین کو نہ گلزار کرسکے　　　کچھ خار کم تو کر گئے گزرے جدھر سے ہم

ہمیں اس زمین کو محبت و مودت کے جذبات اور احساسات سے آباد کرنا ہے، کوئی بھی شخص اس حوالے سے ہمارے عزم کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ ہمیں آج پھر اس ملت کی شیرازہ بندی کرنی ہے، ہم نے اس کے پریشان اجزائے ہستی کو پھر سے یکجا کرنا ہے اور یہ شیرازہ بندی کی آواز ہر انسان کی فطرت کی آواز ہے۔اس لیے کسی نے کیا خوب کہا:

زمانہ منتظر ہے پھر نئی شیرازہ بندی کا　　　بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کو اور مذاہب کے اندر رہنے والوں کو یہی پیغام دیا ہے کہ انسانیت کی خاطر ایک ہو جاؤ، باہمی تفرقے اور باہمی منافرت ترک کردو۔اس بارے میں وہ کہتے ہیں:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں　　　کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

یہ اُمت خرافات میں کھو گئی　　　حقیقت خرافات میں کھو گئی

قرآن مجید نے ہر مذہب کے پیروکار کو بین المذاہب ہم آہنگی، مکالمے اور باہمی رواداری کا یہ اُصول دیا ہے کہ:

﴿لَنَآ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ لَا حُجَّةَ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ﴾[۵۰]

(ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی بحث و تکرار نہیں ہے)

نتائج وسفارشات

۱. عصر حاضر میں عالمِ انسانیت کو جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ تمام خطوں اور ملکوں میں بسنے والے انسانوں کی ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی اور رواداری ہے۔

۲. آج تمام انسانوں کو ایک دوسرے کی عزت وآبرو کی حفاظت اور جان ومال کے تحفظ کا احساس دلانا ضروری ہے۔ تاکہ ہر کسی کو بلا ظلم وزیادتی انصاف اور عدل کے یکساں مواقع میسر آئیں۔

۳. انسانوں کے درمیان محبت و مودّت کو فروغ دیا جائے اور ایک دوسرے کی عزت واحترام کا پاس کیا جائے۔

۴. کسی شخص کے مذہبی اعتقادات پر حملہ نہ کیا جائے۔ ہر کسی کو آزادنہ طور پر اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کا موقع فراہم کیا جائے۔

۵. ہم آہنگی، مکالمہ اور رواداری کا طریقہ ہی انسان کو انسان کے قریب تر کرسکتا ہے۔ اس کا فروغ ہی امن عالم کی ضمانت بن سکتا ہے۔ چنانچہ عالمی سطح پر اس کا بھرپور اہتمام کیا جائے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ سورۃ الحجرات ۴۹: ۱۳

۲۔ سیوطی، امام جلال الدین ، منابل الصفا ،مکتب اسلامی،بیروت،۱۴۲۲ھ،ص ۱۱

۳۔ ترمذی ،السنن، کتاب التفسیر ،سورۃ الحجرات ،حدیث ۳۲۷۰

۴۔ امام ابن ہشام،السیرۃ انبویہ ،باب خطبہ حجۃ الوداع ،دارالعلم،بیروت،۱۴۱۱ھ،ج ۱، ص ۳۵۳

۵۔ قادری، ڈاکٹر محمد طاہر، مقدمہ سیرت الرسولؐ، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸، ج ۱، ص ۲۵۳

۶۔ امام ابن ہشام،السیرۃ النبویہ ،محولہ بالا،ج ۲، ص ۳۵۴

۷۔ ولی الدین ، مشکوۃ المصابیح،کتاب الآداب، باب الشفقۃ والرحمۃ ،قدیمی کتب خانہ ،کراچی،ج ۲ ،ص ۶۲۳

۸۔ سورہ آل عمران ۳: ۶۴

۹۔ سورۃ آل عمرآن ٢:٦٦٤

۱۰۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مجموعہ الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی، دار النفائس، بیروت، ۱۹۸۳ء، ص ۵۷۔۵۸

۱۱۔ البخاری محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح،کتاب الجہاد، باب ماقیل فی ذرع النبی ﷺ،حدیث ۲۳۳۹

۱۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبری،مکتب اسلامی،۱۴۰۲ھ،ج ۱،ص ۲۸۸

۱۳۔ امام طبرانی، المعجم الکبیر ،دارالنفائس،بیروت،۱۴۱۱ھ ج ۴،ص ۱۱۱،حدیث ۳۸۲۸

۱۴۔ دار قطنی، ابو الحسن علی بن نعمان ، السنن،مطبعہ عثمانیہ،ترکی،۱۳۹۸ھ،ج ۴،ص ۲۸۷ ،حدیث ۶۳

۱۵۔ بیہقی ، محمد بن حسین، السنن الکبری،مکتبہ رحمانیہ،لاہور،۲۰۰۸ء، ج ۹ ،ص ۸۹

۱۶۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم ، کتاب الخراج ،قدیمی کتب خانہ ،کراچی،ص۱۵۸

۱۷۔ Mintgomry Watt, Islamic Political thought, the basic concepts,London,1966, p.51

۱۸۔ ابو یوسف ،کتاب الخراج،محولہ بالا، ۱۵۲

۱۹۔ طبری، محمد بن جریر ،تاریخ الامم والملوک(اردو مترجم)،دارالاشاعت،کراچی،۲۰۰۳ء،ج ۲ ،ص۵۰۳

۲۰۔ بیہقی ، السنن الکبری محولہ بالا،ج۸،ص ۱۵۰

۲۱۔ ابو یوسف ،کتاب الخراج ،محولہ بالا، ۱۳۵

۲۲۔ ابو عبید، قاسم بن سلام ، کتاب الاموال،بیت العلم،بیروت،۱۴۳۳ھ، ص۵۷ ، حدیث ۱۱۹

۲۳۔ ابن سعد، ابو عبداللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبری،محولہ بالا ،ج۵،ص ۱۷

۲۴۔ بیہقی ، السنن،محولہ بالا،ج۸،ص۳۴

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ شافعی، محمد بن ادریس ، کتاب الام ،دارالمعرفہ،بیروت،۱۴۰۱ھ،ص۳۲۰

۲۷۔ سورۃ النساء ۴: ۱

۲۸۔ سورۃ الروم ۳۰: ۲۲

۲۹۔ شیخ سعدی، مشرف الدین بن مصلح، گلستان، نور محمد کتب خانہ، کراچی، ۱۳۹۸ھ، ص ۱۴۰

۳۰۔ علامہ محمد اقبال، جاوید نامہ، سنگ میل پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۵۸

۳۱۔ سورۃ البقرۃ ۲: ۲۵۶

۳۲۔ سورۃ الکفرون ۱۰۹:۶

۳۳۔ کیرانوی، وحید الزماں مسیح الزمان، القاموس الجدید، ادارہ اسلامیات پبلشرز، کراچی، ۱۹۹۰ء، ص ۸۰۴

۳۴۔ Lane William Edward, Arabic English, Lexicon William Lane rorgate 14 henriet street covent garden London 1968.vol.7, p.337

۳۵۔ Oxford Dictionary,462

۳۶۔ اصفہانی، ابوالقاسم حسین بن محمد بن فضل، المفردات القرآن،شمس الحق پبلشر، لاہور،۲۰۰۱ء،ج۲،ص۹۳۰

۳۷۔ Martin Buber, I and Thou, New York, Sumon and shuster 1971. p.62

۳۸۔ سورۃالبقرۃ۲:۳۲

۳۹۔ ایضاً:۲۶۰

۴۰۔ سورۃ الاعراف۷:۱۴۳

۴۱۔ سورۃ المائدۃ۵:۱۶

۴۲۔ سورۃ الکہف۱۰:۳۲

۴۳۔ سورۃ الصٰفٰت ۳۷:۱۰۲

۴۴۔ سورۃ القصص ۲۸ :۷۶

۴۵۔ ایضاً

۴۶۔ سورۃ الاعراف۷:۱۹

۴۷۔ سورہٗ ہود۱۱:۲۳

۴۸۔ القشیری، مسلم بن حجاج ، الجامع الصحیح ، کتاب الایمان،باب بیان الایمان والاسلام والاحسان،حدیث ۱۶

۴۹۔ بخاری ،الجامع الصحیح ،کتاب الطلاق،باب اذا اعرض نفی الولد،حدیث ۱۱۲۳

۵۰۔ سورۃ الشوری ۴۲:۱۵

کھسر پھسر سے اجتناب

قَالَ رَسُول اللہ ﷺ

إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ الثَّالِثِ۔

(رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تین لوگ ایک جگہ بیٹھے ہوں تو ان میں سے دو آپس میں کھسر پھسر نہ کریں (اس سے تیسرے کی دل شکنی ہوتی ہے)۔

(الجامع الصحیح للبخاری:۶۲۸۸)